پروفیسر خالد شبیر احمد　　　قسط:۴۲

ورق ورق زندگی

ملک ربنواز اور پولیس کی آنکھ مچولی:

چنیوٹ میں سردار صغیر کی وجہ سے جو پنجاب کابینہ میں وزیر تھے، مجلس احرار اسلام کے کارکنوں اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے درمیان ۰۷۔۱۹۶۹ء سے ہی ایک شدید تناؤ اور کشیدگی موجود تھی۔ جس کا سبب پیپلز پارٹی کا تشدد آمیز رویّہ تھا۔ پیپلز پارٹی کے ایک کارکن کو خود زخمی کیا گیا جب زخم شدید نوعیت اختیار کر گیا تو مقدمۂ قتل ملک ربنواز کے خلاف درج کرا دیا گیا۔ اس ساری کارستانی کے پیچھے سردار صغیر اور شہر کے بڑے بڑے پیپلز پارٹی کے اراکین تھے۔ ملک ربنواز کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو میرے ماموں زاد بھائی مشتاق راجھہ جو مجلس احرارِ اسلام چنیوٹ شہر جنرل سیکرٹری بھی تھے، ملک ربنواز کو لے کر رات پنڈی بھٹیاں چلے گئے اور وہاں سے لاہور دفتر مجلس احرار اسلام بیرون دہلی دروازہ پہنچے۔ جہاں ابنِ امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری صاحب سے ملاقات ہوئی، شاہ صاحب تحریکِ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں اُن دنوں لاہور تھے اور تحریک میں جماعت کی فعال نمائندگی کر رہے تھے، شاہ صاحب کی مساعی سے ملک ربنواز کی ضمانت قبل از گرفتاری کا حکم نامہ لاہور ہائی کورٹ سے لیا گیا۔ بعد میں مقدمہ خارج ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ چنیوٹ میں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں پیپلز پارٹی کے سردار صغیر، تحریکِ ختمِ نبوّت کے کارکنوں کے خلاف حکومتی طاقت کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن مجلس احرار کے کارکنوں نے انتہائی دلیری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور تحریک کو جاری رکھا۔

وہ ایک رات:

مجھے یاد ہے کہ ملک ربنواز کی تقریر فیصل آباد کے کچہری بازار کی جامع مسجد میں تھی جب کہ وارنٹ گرفتاری اُن کے تعاقب میں تھے۔ وہ اس کے باوجود چنیوٹ کے احرار رضا کاروں کے تحفظ میں، جن کی قیادت مشتاق راجھہ کر رہے تھے مسجد لائے گئے جب کہ پولیس اُن کی گرفتاری کے لیے پیچھے پیچھے تھی۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی بلکہ لوگ باہر بھی موجود تھے۔ اتنے بڑے مجمع میں ملک ربنواز کی تقریر ہوئی میں بھی اس جلسہ میں موجود تھا۔ تقریر سے پہلے مجھے ربنواز ملا اور میرے کان میں کہا کہ میں نے رات آپ کے گھر میں بسر کرنی ہے پولیس میرے پیچھے ہے اور صبح سویرے میں نے لاہور جا کر ہائی کورٹ سے ضمانت قبل از گرفتاری حاصل کر کے کل رات کو پھر چنیوٹ میں آ کر تقریر کرنی ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ تم فکر نہ کرو میں خود تمہاری ہر طرح سے حفاظت کروں گا چنانچہ تقریر کے بعد مشتاق راجھہ نے پولیس کو جُل دیتے ہوئے ملک ربنواز کو میرے گھر پہنچا دیا۔ رات کو میں نے اپنے مکان کی چھت پر بستر بچھا دیا اور کھانا کھانے کے بعد میں نے کہا کہ اب آپ آرام سے سو جائیں اور میں ساری رات آپ کا پہرہ دوں گا۔ میں نے کہا کہ گھر کا دروازہ جو کہ گلی کی طرف ہے کے علاوہ اس چھت سے یہ سیڑھیاں بھی میرے گھر سے باہر سڑک پر جانے کا ذریعہ ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو اس دروازے کو باہر جانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ربنواز تھکا ہوا تھا گہری نیند سو گیا لیکن ساتھ والی چار پائی پہ میں جاگتا رہا، اس لیے کہ اگر کوئی گڑ بڑ ہو تو اس کا تدارک کیا جا سکے۔ رات کو ایک بجے کے بعد میرے گلی والے دروازے پر

دستک ہوئی۔ میں نیچے آیا اور دروازے کے اندر سے آواز دی تو باہر سے آواز آئی کہ ہم چنیوٹ کے رضا کار ہیں۔ میں نے نام پوچھا، انہوں نے اپنے نام بتائے، میں انہیں جانتا تھا۔ اس لیے دروازہ کھول دیا۔ دونوں رضا کار سرخ وردی میں تھے وہ مجھے جانتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ ربنواز میرے ہی مکان پر ٹھہرا ہوا ہے۔ مجھے کہنے لگے۔

''ہم فیصل آباد اڈے سے آئے ہیں، وہاں اس کی گرفتاری کے لیے پولیس چکر لگا رہی ہے۔ پولیس ہمارے تعاقب میں بھی ہے لیکن ہم آپ کو صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ ربنواز کو فیصل آباد لاری اڈے پر نہ جانے دیں، ہمیں بھی پولیس نے پوچھا ہے کہ ربنواز کہاں ہے؟ ہم نے انہیں کہا ہے کہ ہمیں علم نہیں۔''

یہ کہہ کر رضا کار واپس چلے گئے اور میں پوری رات جاگ کر پہرہ دیتا رہا۔ صبح نمازِ فجر کی اذان سے پہلے میں نے ربنواز کو جگایا اور اُسے ساری صورت حال بتائی اور تاکید کی کہ اب لاہور جانے کے لیے آپ نے رکشہ پر بیٹھ کر لاری اڈے سے آگے دو تین میل کے فاصلہ پر جا کر لاہور کے لیے بس پکڑنی ہے اور اسی طرح لاہور اڈے پر بھی نہیں جانا بلکہ پہلے ہی اتر رکشہ لے کر براہِ راست لاہور ہائی کورٹ جانا ہے۔ اُس نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں لاہور میں میرے ساتھی ہیں میں ان کے پاس جا کر پھر ہائی کورٹ جاؤں گا۔

رضا کار گرفتار ہو گئے:

دوسرے دن میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے چنیوٹ گیا تو مشتاق راجھہ نے بتایا کہ صبح سویرے مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے دو رضا کار پچھلی رات گرفتار کر لیے گئے ہیں اور وہ چنیوٹ کی حوالات میں بند ہیں۔ میں پریشان ہو کر سیدھا تھانے کی طرف روانہ ہوا تاکہ تھانیدار سے مل کر ان کا پتہ کیا جائے۔ راستے میں ہی مجھے ملک اللہ دتہ صاحب (ربنواز کے والد) ملے تو انہوں نے گرفتار رضا کاروں کے نام لے کر کہا کہ میں ان کے بارے میں تھانیدار کو کہنے جا رہا ہوں کہ انہیں چھوڑ دیں اور ربنواز کی جگہ مجھے گرفتار کر لیں۔ میں پریشان ہوں کہ کہیں رضا کاروں پر تشدد نہ ہو۔ جواب میں مشتاق راجھہ نے کہا کہ میں نے ملک صاحب کو کہا کہ آپ اس عمر میں کیوں گرفتار ہوں گے میں تھانیدار سے کہوں گا کہ میں ربنواز کا بڑا بھائی ہوں مجھے گرفتار کر لیں اور ان رضا کاروں کو چھوڑ دیں۔ یہ دونوں رضا کار وہی تھے جو رات کو مجھے میرے مکان کے باہر ملے تھے انہیں واپسی پر گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ دونوں ملک اللہ دتہ اور مشتاق راجھہ' تھانیدار کو ملے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ گفتگو کے دوران ان دونوں کی تھانیدار کے ساتھ تلخ کلامی بھی ہوئی اور ایک دوسرے کے درمیان اچھی خاصی بحث ہوئی، تھانیدار انہیں مرعوب کرنا چاہتا تھا اور یہ وعدہ لینے پر بضد تھا کہ آپ ربنواز کو تقریر کرنے سے روکیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ تحریک مقدس میں حصہ لینے سے اُسے روک دیں۔ آپ کو سردار صغیر کی طرف سے جو ہدایات ہیں ہم ان کی پروا نہیں کرتے۔ آپ سے جو کچھ ہوتا ہے کر گزریں۔ جب تھانیدار کو معلوم ہوا کہ معاملہ قابو سے باہر ہے تو اس نے دونوں رضا کاروں کو رہا کر دیا۔ رات کو ملک ربنواز بھی واپس آ گیا اور اس نے شہر میں اپنی تقریروں کا سلسلہ جاری رکھا۔

طلباء کا حصہ:

یہ تحریک چونکہ طالب علموں کی طرف سے چلائی گئی تھی اس لیے زیادہ تر اس میں طلباء ہی اہم کردار ادا کر رہے

تھے۔خصوصی طور پر جماعت اسلامی کی طالب علم تنظیم اسلامی جمعیت طلباء۔جمعیت علماء اسلام کی طلباء تنظیم جمعیت طلباء اسلام اور مجلس احرار اسلام کی طلباء تنظیم تحریک طلباءِ اسلام نے اس تحریک میں بنیادی اور اہم کردار ادا کیا۔جاوید ہاشمی، ڈاکٹر فرید پراچہ، انوار گوندل، لیاقت بلوچ، ظفر جمال بلوچ اور ان کے علاوہ کئی دوسرے اہم طلباء جن کا تعلق کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ تھا' تحریک کے سلسلے میں اچھے خاصے پُر جوش تھے۔اسی طرح مجلس احرار اسلام کی طلباء تنظیم تحریک طلباءِ اسلام بھی ہر جگہ پورے عزم اور ہمت کے ساتھ تحریک میں ایک فعال کردار ادا کر رہی تھی۔رب نواز کے علاوہ عباس نجمی مرحوم جو تحریک طلباء اسلام کے جنرل سیکرٹری تھے۔اسی طرح چیچہ وطنی میں تحریک طلبا کے عبداللطیف خالد چیمہ، لاہور میں شاہد کاشمیری، احمد پور شرقیہ اور اس کے گردونواح میں ارشد بخاری، محمد یوسف سیال مرحوم، ملتان میں سید محمد کفیل بخاری تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' کا کردار:

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کا کردار وہی تھا جو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں روزنامہ ''زمیندار'' کا تھا۔یہ بھی حیرانی کی بات ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں روزنامہ نوائے وقت انتہائی اور حیران کن حد تک خاموش رہا اور کوئی کردار ادا نہ کیا۔لیکن ۱۹۷۴ء کی تحریک میں روزنامہ نوائے وقت نے ہر لحاظ سے وہ کسر پوری کر دی۔جلسوں کی کارروائیوں کو نمایاں انداز میں اپنے اخبار کا حصہ بنایا۔تحریک کے حق میں اداریے تحریر کیے اور جب معاملہ قومی اسمبلی تک پہنچا تو اس ساری کارروائی کو بھی عوام تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔چنیوٹ میں بھی نوائے وقت کے نامہ نگار شہزادہ اکبر نے تحریک کے لیے بہت پر جوش طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا۔غرضیکہ جہاں ملک بھر کے مسلمانوں نے اس تحریک کے لیے تن، من، دھن کی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت کا پرزور مظاہرہ کیا، وہیں پر روزنامہ نوائے وقت کے کردار کو بھی داد دینا پڑتی ہے اُس نے بڑے اچھے طریقے سے قادیانیوں کے خطرناک عزائم، پاکستان کی سلامتی کے لیے اُن کی سرگرمیوں کو خطرناک قرار دیتے ہوئے انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبے کی پرزور انداز میں حمایت کی۔جس سے تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء کو تقویت حاصل ہوئی۔

فیصل آباد شہر میں تحریک کا رنگ ڈھنگ:

فیصل آباد شہر کی صورت حال یہ تھی کہ ہر دکان دار نے اپنی دکان پر لکھ دیا کہ قادیانی یہاں سے سامان نہیں خرید سکتے۔شہر کے درودیوار پر بینر آویزاں تھے کہ قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ان سے لین دین ختم کر دیا جائے۔اسی طرح مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ قادیانیوں کی دکانوں سے سامان نہ خریدیں۔قادیانیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی گئی نتیجۃً وہ دکانیں بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔غرضیکہ قادیانی حضرات کا گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا۔اور ایسی خبریں ہر روز اخبار کے ذریعے آ رہی تھیں کہ پاکستان کے دیگر شہروں میں بھی یہی صورت حال ہے۔یہ اس تحریک کی خصوصی بات تھی کہ سوشل بائیکاٹ اپنے پورے عروج پر تھا۔

قادیانیوں کے خلاف پورے ملک کے مسلمانوں کے دل میں نفرت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔جس سے نہ صرف تحریک کو تقویت حاصل ہوئی بلکہ حکومتِ وقت پر بھی اس بات کا دباؤ روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔اس کے علاوہ ہڑتالوں کا

سلسلہ بھی جاری رہا۔ ہر جگہ جلسے اور جلوس معمول کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ گلیوں اور بازاروں میں چھوٹے چھوٹے بچے، قادیانی کافر ہیں کے نعرے بلند کرتے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب ڈوب جاتا کہ ایک وقت وہ بھی تھا کہ مسلم لیگ والے ہم سے یہ بحث کیا کرتے کہ قادیانی نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ ہم سے بہتر مسلمان ہیں اور آج مسلم لیگ بھی ہماری ہم آواز ہے۔ قوم کے بچے بچے کے لب پہ قادیانی کافر ہیں کا نعرہ دل و دماغ ہی نہیں ایمان کے لیے بھی راحت کا ساماں مہیا کر رہا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ایسی صورت حال پیدا کرنے میں مجلس احرار کے اکابر خصوصاً حضرت امیر شریعت اور ان کے ساتھی احرار رہنماؤں اور احرار رضا کاروں کی انتھک محنت اور عزم و ہمت کا بڑا حصہ ہے۔ تحریک کی کامیابی حقیقتاً ہزاروں شہداءِ ختمِ نبوّت کے خون کا صدقہ ہے۔ وہ وقت بھی تھا کہ جب تنہا مجلس احرار اسلام کی ہی آواز ہر جگہ گونجتی تھی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دو کہ یہ اسلام کے غدار اور وطن کے دشمن ہیں۔ آج تمام جماعتیں احرار کی ہم قدم اور ہم آواز ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اکثر اقبال کا یہ شعر میرے لب پر آ جاتا تھا

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

صمدانی کمیشن کا قیام:

کل جماعتی مجلس بنی اور تحریک کی مرکزی قیادت نے پرزور مطالبہ کیا کہ حادثۂ ریلوے سٹیشن ربوہ میں مسلمان طلباء پر تشدد کی تحقیق کے لیے عدالتی کمیشن بنایا جائے تاکہ اس کی وجوہات اور محرکات پوری قوم کے سامنے آئیں۔ حکومت نے جسٹس صمدانی کی قیادت میں ایک کمیشن بنا دیا۔ اس کمیشن کے سامنے ملک کی کئی جماعتیں بطورِ فریق پیش ہوئیں۔ مجلس احرار اسلام نے بھی ایک فریق کی حیثیت میں صمدانی کمیشن کے سامنے قادیانیوں کے بارے میں اپنے مؤقف کو پیش کیا۔ مجلس احرار کی طرف سے خاقان بابر ایڈووکیٹ عدالت میں پیش ہو کر یہ فرض ادا کرتے رہے۔ اس سلسلے میں مجلس احرار کی طرف سے ایک طبع شدہ میمورنڈم بھی پیش کیا۔ جس میں قادیانی عقائد، قادیانیوں کی خلاف اسلام اور خلاف پاکستان سرگرمیوں، اسرائیل کے ساتھ اس جماعت کے رابطے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور وہ مسلمان جو مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے اُن کے خلاف قادیانیوں کے انتہائی غلیظ اور انتہائی قابل مذمت الفاظ جو تحریری شکل میں قادیانیوں کی کتابوں کا حصہ تھے نیز جہاد کے خلاف بلادِ اسلامیہ میں انگریز کی ایما پر سرگرمیوں کا بھی بڑی تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ یہ ایک تحریری دستاویز تھی جو مجلس احرار کی طرف سے صمدانی کمیشن کے سامنے پیش کی گئی۔

جسٹس صمدانی کی چناب نگر (ربوہ) میں آمد:

اسی سلسلے میں ایک روز جسٹس صمدانی چناب نگر بھی تشریف لائے۔ مجھے معلوم تھا اس لیے میں بھی چناب نگر پہنچا اور صمدانی صاحب کے ساتھ کئی دوسرے لوگ بھی تھے۔ احرارِ اسلام کے خاقان بابر جو مولانا اظہر علی اظہر کے بیٹے تھے وہ بھی صمدانی صاحب کے ساتھ تھے۔ خاقان بابر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھے کہا کہ میرے والد مجھے کہا کرتے تھے:

''۱۹۵۳ء کی تحریک میں، مجلس احرار کی منیر انکوائری کمیشن کے سامنے وکالت میں نے کی تھی اور میں تجھے اس لیے وکیل بنا رہا ہوں کہ اگر کل کو کہیں کسی ایسے موقع پر احرار کی وکالت کرنے کی ضرورت ہو تو یہ فریضہ تم ادا کرو گے۔ یہ میری

تمھیں نصیحت ہے اور میں آج اسی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں۔''

جسٹس صمدانی ایوان محمود کے سامنے اپنی کار سے اترے تو انھوں نے قادیانیوں سے کہا کہ میں آپ کے دفاتر کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انھیں ایک بہت بڑے ہال میں لے جایا گیا، جہاں پر میز اور کرسیوں پر کئی قادیانی حضرات اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ یہ بڑا ہال ایک بہت بڑے سیکرٹیریٹ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جسٹس صمدانی نے اندر داخل ہوتے ہی ایک نظر اس ہال کے در و دیوار پر دوڑائی۔ جہاں مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین کی تصویریں آویزاں تھیں، اس کمرے میں ایک دیوار کے ساتھ قادیانیوں کا ایک پرچم بینر کی صورت میں آویزاں تھا۔ اس پر سب سے پہلا سوال صمدانی صاحب نے یہ کیا کہ ''میں یہاں پر آپ کے بڑوں کی تصویریں تو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ کے اتنے بڑے دفتر میں نہ تو بانی پاکستان محمد علی جناح کی کوئی تصویر ہے اور پھر آپ کی جماعت کا پرچم تو یہاں پر آویزاں ہے لیکن پاکستان کا پرچم کہیں نہیں دیکھ رہا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر قادیانی پریشان ہوئے، کہنے لگے کہ قائداعظم کی تصویر تو اندر رکھی ہے، ذرا خراب ہوگئی تھی اس لیے اتاری گئی اور پرچم بھی ہے۔ لیکن آویزاں نہیں ہے۔ جواب میں جسٹس صمدانی نے کہا کہ رہنے دیجیے میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اس کے بعد یہ بھی ہوا کہ جسٹس صمدانی نے پانی مانگا۔ قادیانی جلدی جلدی ایک جگ میں پانی اور ساتھ گلاس لے آئے۔ جسٹس صمدانی نے قادیانیوں کا پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرا پانی میرے ساتھ ہے۔ اسی دوران ان کا ڈرائیور جسٹس صاحب کی کار سے پانی لے آیا جو انھوں نے وہیں کرسی پر بیٹھ کر پیا۔ اس کے بعد صمدانی صاحب نے ایک جگہ کا معائنہ کیا اور دیکھا ایک حوالات بنی ہوئی ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ حوالات کیوں بنائی گئی ہے۔ جواب تھا کہ ہم اپنے جھگڑوں کا خود فیصلہ کرتے ہیں اور اگر کسی کو ضرورت پڑے تو اسے حوالات میں بند کر دیتے ہیں۔ جسٹس صمدانی صاحب اس پر مسکرائے اور کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو پاکستان کی عدالتوں پر یقین نہیں ہے۔ اس کے بعد جسٹس صاحب مرزا مبارک کے دفتر گئے، میں بھی ساتھ تھا اور دوسرے کئی لوگ اور خاقان بابر بھی ساتھ تھے۔ مرزا مبارک جس کی حیثیت یوں سمجھئے کہ قادیانی کابینہ میں وزیر خارجہ کی تھی، اس کا کمرہ بڑا ہی لمبا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے والا کافی فاصلہ طے کر کے اس جگہ پر پہنچتا تھا جہاں مرزا مبارک جلوہ افروز تھے۔ مجھے یہ کمرہ دیکھ کر اٹلی کے آمر مسولینی کا کمرہ خیال میں آ گیا، جس کے بارے میں کتابوں میں تحریر ہے آنے والے شخص کو مرعوب کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ جسٹس صمدانی بھی اچھے خاصے فاصلے کو طے کر کے مرزا مبارک تک پہنچے۔ میں اس وقت ذرا فاصلے پر تھا لیکن میں نے دیکھا کہ جسٹس صمدانی کی آمد پر مرزا مبارک نہ تو اپنی کرسی سے اٹھا اور نہ ہی اس نے کوئی ایسا تاثر دیا کہ وہ کسی جسٹس سے ملاقات کر رہا ہے۔ بہرحال جسٹس صاحب اور مرزا مبارک کے درمیان کیا باتیں ہوئیں مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر جب جسٹس صاحب باہر سڑک پر آئے تو خاقان بابر نے اُن سے کہا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قادیانیوں کا قبرستان دکھاؤں، اگر آپ میری گزارش پر وہاں چلیں تو آپ کو کئی قابل اعتراض تحریریں ان کے خلیفہ اور مرزا غلام احمد کے خاندان کی قبروں پر لکھی دکھانا چاہتا ہوں۔''

اس پر جسٹس صمدانی نے کہا کہ ہاں مجھے کوئی اعتراض نہیں، قبرستان بھی چلتے ہیں۔ یہاں سے جسٹس صمدانی پیدل ہی قادیانیوں کے قبرستان تک گئے اور داخل ہوتے ہی وہاں ایک قادیانی نے جسٹس سے ملاقات کرتے ہوئے کہا کہ میرا نام...... جو تھا وہ اس نے بتایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں:

’’مولانا محمد علی جوہر کا بھتیجا ہوں اور میرا باپ ذوالفقار علی گوہر ہے جس کی یہ قبر ہے وہ احمدی ہو گئے تھے۔

جسٹس صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اچھا ایسا بھی ہوا تھا؟‘‘

مرزا بشیرالدین کی قبر دکھائی گئی۔ امیر المومنین کے القاب پر توجہ دلائی گئی، پھر یہ تحریر بھی دکھائی گئی کہ انھیں یہاں امانتاً دفن کیا گیا ہے موقع ملتے ہی انھیں قادیان لے جایا جائے گا اور وہاں پر دفن کیا جائے گا۔ پھر کہیں ’’اُم المومنین‘‘ کی تحریر اور کہیں ’’قمر الانبیاء‘‘ کی تحریر کی طرف خاقان بابر نے جسٹس صاحب کی توجہ دلائی اور کچھ باتیں بھی خاقان بابر اور صمدانی صاحب کے درمیان ہوئیں اور اس کے بعد جسٹس صمدانی واپس چلے گئے۔ صمدانی صاحب کی وجہ سے مجھے بھی یہ دیکھنے کا موقع مل گیا کہ اندر کیا کیا ہے اور یہاں پر کیا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میرا یہ تاثر مزید مضبوط ہوا کہ ربوہ کی حد تک قادیانی ایک الگ ریاست ہے اور یہاں پر وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک ریاست کو چلانے کے لیے ہونا چاہیے، ان کی اپنی عدالتیں ہیں، علیحدہ سیکرٹیریٹ ہے۔ حوالات ہے، اپنا کوتوال شہر ہے جس کے تحت ان کی اپنی رضا کارانہ تنظیم ہے جو وہی فرائض سرانجام دیتی ہے جو ایک ریاست میں پولیس۔ ریاست کے اندر ایک منظّم ریاست اپنے انداز میں کام کر رہی ہے۔ جو ہر لحاظ سے قابلِ مذمت خلاف آئین ہے۔

مرکزی کابینہ کے اہم اجلاس:

۲۳ اور ۲۴؍ جون ۱۹۷۴ء کو مری میں مرکزی کابینہ کے اہم اجلاس ہوئے۔ پہلا اجلاس جو ۲۳ تاریخ کو ہوا، اس کا دورانیہ آٹھ گھنٹے تھا۔ جس سے اجلاس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اجلاس کی صدارت خود وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کی۔ ربوہ میں ہونے والے واقعے اور اس کے بعد ملکی حالات پر بڑی تفصیل سے بات ہوئی۔ اجلاس میں قومی اسمبلی کے سپیکر صاحبزادہ فاروق علی، اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار، وفاقی وزراء، پنجاب کے اس وقت کے وزیراعلیٰ حنیف رامے، سابق وزیراعظم مسٹر معراج خالد، وزارت داخلہ کے اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔ مختلف اداروں کی پیش کردہ رپورٹوں پر غور کیا گیا۔ پاکستان میں امن وامان کی صورت حال بھی زیر بحث آئی۔ قادیانی مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ اس اجلاس میں پیش کیا گیا۔ اس مسئلے کے حل کے لیے بھی مختلف تجاویز پیش کی گئیں، ان تجاویز میں ایک یہ بھی تھی کہ کیوں نہ بجٹ اجلاس کے بعد اس قادیانی مسئلہ کو قومی اسمبلی میں پیش کر دیا جائے۔ ایسے اجلاس کی قانونی حیثیت کو پیش نظر رکھنے کے لیے ہی تو قومی اسمبلی کے سپیکر فاروق علی اور اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار اجلاس میں موجود تھے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کا جائزہ لینے کے لیے سپریم کورٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل سے رابطہ کرنے پر بھی غور کیا گیا۔ اس سلسلے میں فرداً فرداً اراکین اسمبلی سے مشاورت کی تجویز بھی زیر غور آئی۔ آئندہ اقدام کے لیے جلد فیصلہ کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا گیا۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے آئین میں ترمیمی بل پیش کرنے کے بارے میں بھی غور کیا گیا۔ اس اجلاس میں جن وفاقی وزرا نے شرکت کی، ان کے نام اخبارات میں درج ذیل تھے۔ مولانا کوثر نیازی وزیر نشریات و اطلاعات، وزیر قانون و پارلیمانی امور عبدالحفیظ پیرزادہ، وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان، وزیر تجارت و پیداوار جے۔ اے رحیم، کے علاوہ اہم شخصیات میں پارٹی کے ڈپٹی سیکرٹری خورشید حسن میر، وزارت صحت کے وزیر رانا محمد حنیف، وزیراعظم کے خصوصی مشیر مسٹر یوسف بُچہ فیروز قیصر، خدا بخش بُچہ اور محمد حیات تمن۔ یہ اجلاس میونسپل ہال مری میں ہوا۔

۲۴؍جون ۱۹۷۴ء میں شائع ہونے والی رپورٹ:

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر اعلیٰ اجلاس آج دوسرے دن بھی جاری رہا۔ جس کی صدارت وزیراعظم نے کی۔ اجلاس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔ خاص طور پر اس کے ملکی اور غیر ملکی پہلوؤں پر خصوصی توجہ دی گی۔ آج اس مسئلہ پر بخوبی غور کر لیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اس مسئلے کو مسلمانوں کی اُمنگوں اور عقائد کے مطابق حل کرنا چاہتی ہے۔ اجلاس میں اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ امن وامان کے مسئلہ پر قابو پا لیا گیا ہے۔ اجلاس میں حالات کو مزید بہتر بنانے کے لیے متعدد اقدامات پر بھی غور کیا گیا۔ دریں اثنا معلوم ہوا ہے کہ پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی سے بھی وزیراعظم نے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ (روزنامہ مشرق لاہور، ۲۵؍جون ۱۹۷۴ء)

یہاں پر یہ بات بھی تحریر کرنا ضروری ہے کہ آزاد کشمیر اسمبلی نے مجاہد اوّل سردار عبدالقیوم خان کے دورِ حکومت میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا اور تحریک کے دوران صوبہ سرحد کی اسمبلی نے بھی ایک قرارداد پاس کر دی تھی کہ جس میں مرکزی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

۲۶؍جون کی اخباری رپورٹ کے مطابق قادیانی مسئلہ پر اسلامی ممالک سے بھی رائے طلب کی گئی۔ تمام عرب ممالک اور افریقہ کے اسلامی ممالک ان میں شامل ہیں۔ اردن اور لیبیا کی حکومت نے پاکستانی حکومت کو آگاہ کر دیا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی حمایت کرتے ہیں، بعض اسلامی ممالک نے یہ تک کہا کہ وہ اسرائیل کے اندر قادیانی مشن کی موجودگی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عالم اسلام کے لیے اسے شدید خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ حکومت نے اعلان کیا کہ حکومت قادیانی مسئلہ کو قومی اسمبلی میں پیش کرتے ہوئے پورے اسلامی ممالک کے احساسات کا خیال رکھے گی۔

پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کی قرارداد (۲۸؍جون)

سرحد اسمبلی کے بعد پنجاب اسمبلی میں بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی گئی۔ جس پر ستر اراکین اسمبلی کے دستخط تھے۔ سپیکر اسمبلی شیخ رفیق احمد نے اس قرارداد کو جس پر حزب اقتدار کے اراکین کے بھی دستخط تھے کو زیر بحث لانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ قائدِ حزبِ اختلاف علامہ رحمت اللہ ارشد نے اس کی مذمت کی۔ سید تابش الوری نے بھی وزیراعلیٰ حنیف رامے جو کہ اجلاس میں موجود تھے پر سخت تنقید کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ قرارداد کو زیر بحث لایا جائے، یہ مسئلہ ایمان اور عقیدے کا ہے۔

حاجی سیف اللہ نے بھی تقریر کرتے ہوئے سپیکر سے کہا کہ قرارداد پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کارروائی کے دوران پنجاب اسمبلی میں ختمِ نبوّت زندہ باد کے نعرے بھی بلند ہوتے رہے۔ لیکن قرارداد پیش نہ ہو سکی اور حزب اختلاف اور کچھ اراکین حزب اقتدار کے بھی احتجاج کرتے ہوئے اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے۔ یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے بالآخر مرکزی حکومت کو قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنا پڑا اور یہ بات اس کا بیّن ثبوت ہے کہ عوامی دباؤ اس سلسلے میں اتنا شدید تھا کہ حکومت وقت اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حالات کہہ رہے ہیں کہ:

چلو اس عزم سے اب منزلِ حق کی جانب　　راستے کانپ اٹھیں گرمیٔ رفتار کے ساتھ

جاری ہے